21

قوموں کی زندگی آئندہ نسلوں کی صحیح تربیت پر مبنی ہوتی ہے

احمدی والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو شروع سے ہی
اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

(فرمودہ 21 ستمبر 1951ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''قومی زندگی ان کی آئندہ نسلوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر ان کی آئندہ نسلیں ٹھیک ہوں تو وہ زندہ رہتی ہیں اور اگر ان کی آئندہ نسلیں کمزور ہو جائیں تو وہ مر جاتی ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں جو لوگ سوچ سمجھ کر کسی مذہب کو قبول کرتے ہیں اُن کے اندر خاص جوش ہوتا ہے۔ اُن کی مخالفتیں ہوتی ہیں اور مخالفتیں اُن کے جوش کو اَور بھی بڑھا دیتی ہیں۔ لیکن جو بچے بعد میں پیدا ہوتے ہیں انہوں نے سوچ سمجھ کر کسی مذہب کو قبول نہیں کیا ہوتا۔ انہیں ایمان ورثہ کے طور پر ملتا ہے بوجہ اِس کے کہ اُن کے ماں باپ، بہن بھائی اور دوسرے رشتہ دار صداقت کے قبول کرنے والے ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو مذہب میں نیا داخل ہونے والا نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے آپ کو ورثہ کے طور پر اس مذہب کو قبول کرنے والا سمجھتے ہیں۔ ان کی مخالفتیں کم ہوتی ہیں، ان کو بچانے والے ان کے ماں باپ، بہن بھائی اور دوسرے رشتہ دار ہوتے ہیں جو صداقت کو پہلے قبول کر چکے ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ براہ راست صداقت کو

قبول کرتے ہیں اُن کی مخالفتیں ہوتی ہیں، انہیں تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ ان تکلیفوں کی وجہ سے دو میں سے ایک بات ضرور ہوتی ہے۔ یا تو وہ مخالفتوں سے گھبرا کر پھر جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اس صداقت پر قائم رہتے ہیں تو وہ مخالفتوں کی وجہ سے ایسے ہو جاتے ہیں جیسے بھٹی میں سے سونا نکالا جاتا ہے۔ ایسے آدمیوں کا مثیل پیدا کرنا محنت چاہتا ہے۔ جو کام آباء نے خود کیا ہوتا ہے وہ دوسرے لوگوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اور صاف بات ہے کہ جس چیز کی رغبت آپ ہوتی ہے اور جو اُستاد پڑھاتا ہے ان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جس آسانی سے بچے زبان سیکھتے ہیں اُس آسانی سے وہ کوئی دوسری چیز نہیں سیکھ سکتے۔ چنانچہ جونہی وہ ہوش سنبھالتے ہیں دوسروں کو دیکھ کر غوں غاں کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے چاروں طرف جو لوگ ہوتے ہیں وہ منہ سے بعض خاص الفاظ نکال کر ان کے خاص معنے لیتے ہیں۔ اس لیے بچہ بھی شوق سے وہ الفاظ بولنے لگ جاتا ہے۔ لیکن وہی بچہ جب سکول میں جاتا ہے اور کوئی دوسری زبان سیکھتا ہے تو کہتا ہے اُستاد کام بہت دیتے ہیں، وہ زچ ہو جاتا ہے اور پڑھائی سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی عرب ہے تو اُس سے پوچھو کہ کیا اُسے عربی سیکھنے میں کوئی مشکل پیش آئی ہے؟ یا انگریز ہے تو کیا انگریزی زبان سیکھنے میں اُسے کوئی مشکل پیش آئی؟ اگر وہ پنجابی ہے تو کیا پنجابی سیکھنے میں اسے کوئی مشکل پیش آئی ہے؟ وہ یہی بتائے گا کہ اپنی زبان سیکھنے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی بلکہ آپ ہی آپ آ گئی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُسے اپنی زبان سیکھنے کا شوق تھا۔ اِسی طرح جو شخص کسی مذہب میں داخل ہوتا ہے اُس کی مثال ایک بچہ کی سی ہوتی ہے۔ اور جو اِس وجہ سے کسی مذہب میں داخل ہوتا ہے کہ اُس کے ماں باپ اُس مذہب کے پابند تھے اُس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی سکول میں پڑھتا ہے۔ سکول میں کئی طالبعلم فیل ہو جاتے ہیں مگر کیا کبھی کسی نے کوئی ایسا بچہ بھی دیکھا ہے جو اپنی زبان سیکھنے میں فیل ہوا ہو؟ اُس کے دماغ میں نقص بھی ہو تب بھی وہ زبان سیکھ جاتا ہے۔ اپنی زبان سیکھنے والے بچے سو فیصدی پاس ہو جاتے ہیں لیکن سکول اور کالج والے خوش ہوتے ہیں کہ اُن کے تینتیس فیصدی طالبعلم پاس ہو گئے۔ سکول کا نتیجہ ذرا اچھا رہتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں کہ اُن کے اَسّی فیصدی طالبعلم پاس ہو گئے یا اُن کا نتیجہ پچاسی فیصدی یا نوے فیصدی رہا۔ اور چُرانوے پچانوے فیصدی نتیجہ ہو تو ایک شور مچ جاتا ہے۔ لیکن ایک جاہل ماں کے پانچوں کے پانچوں بچے پاس ہو جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک زبان سیکھ جاتا ہے، ان میں سے ہر ایک

اپنے ماں باپ کا تمدّن سیکھ جاتا ہے حالانکہ وہ بھی ایک مدرسہ ہے۔ لیکن یہاں چونکہ اُن کا اپنا انٹرسٹ اور دلچسپی تھی اِس لیے انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ ایک عرب کو انگریزی یا اردو سیکھنے میں یا ایک انگریز کو اردو یا عربی سیکھنے میں اُتنی ہی دقّت پیش آتی ہے جتنی دقّت ایک پنجابی کو انگریزی یا عربی سیکھنے میں آتی ہے۔ لیکن ہمارا ایک جاہل سے جاہل بچہ اِس طرح اپنی زبان سیکھ جاتا ہے کہ اُسے پتا بھی نہیں لگتا۔ اِسی طرح ایک عرب عربی سیکھ لیتا ہے اور انگریز انگریزی سیکھ لیتا ہے۔ لیکن جب کوئی انگریز یا عرب پنجابی سیکھنا چاہیں تو انہیں وہ مشکلات پیش آتی ہیں جو ہمیں عربی یا انگریزی سیکھنے میں آتی ہیں۔ اِس کی وجہ ایک ہی ہے اور وہ دلچسپی اور عدمِ دلچسپی ہے۔ وہاں چونکہ دلچسپی اور شوق ہوتا ہے کہ اردگرد کے لوگ ایک خاص قسم کے الفاظ بول رہے ہیں میں بھی یہ الفاظ سیکھ جاؤں اس لیے وہ آسانی سے سیکھ جاتا ہے۔ لیکن سکول میں وہ سمجھتا ہے کہ کوئی دوسرا آدمی اپنی مرضی کے مطابق اُسے کچھ سکھانا چاہتا ہے اس لیے وہ اُس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی ہوشیار طالبعلم ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اُستاد کی مرضی کے مطابق چلنے میں اُس کا اپنا فائدہ ہے تو وہ ہوشیاری سے وہ چیز سیکھ لیتا ہے جو اُس کا استاد اُسے سکھانا چاہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی طالبعلم ہوشیار نہیں ہوتا تو وہ استاد کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اُسے آرام سے روکتا ہے اور اپنے عزیزوں کی صحبت میں بیٹھنے سے روکتا ہے، اپنے دوستوں میں بیٹھ کر گپّیں مارنے سے روکتا ہے۔ وہ بظاہر سکول میں ہوتا ہے لیکن اُس کا دماغ گلی ڈنڈا کھیل رہا ہوتا ہے، کبھی کبڈّی کھیل رہا ہوتا ہے، کبھی وہ ماں کی گود سے چھلانگ لگا رہا ہوتا ہے اور کبھی وہ ماں باپ سے کوئی چیز مانگ رہا ہوتا ہے۔ استاد گھنٹہ بھر پڑھا کر بیٹھ جاتا ہے لیکن اُس کا دماغ اپنی گلی میں ہوتا ہے۔ بیشک گونگے زبان نہیں سیکھ سکتے اور بعض پاگل بھی اِسی قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ سیکھ نہیں سکتے لیکن عام طور پر پاگل بھی زبان سیکھ جاتے ہیں۔ اپنی ماں کے پاس وہ بھی فیل نہیں ہوتے۔ یہ فرق محض دلچسپی اور عدمِ دلچسپی کی وجہ سے ہے۔

ہماری جماعت میں اِس ملک کے عام باشندوں کی طرح یہ عادت پائی جاتی ہے کہ وہ بچوں سے ناجائز محبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں ابھی بچہ بڑا ہوگا تو آپ ہی سیکھ جائے گا۔ یہ اُن کی غلطی ہے۔ وہ خود مذہب کے اس لیے پابند تھے کہ اُن کے اندر اس کے لیے رغبت پیدا ہوگئی تھی لیکن بچہ میں یہ احساس نہیں ہوتا کہ کونسا مذہب سچا ہے۔ اُس کے ماں باپ احمدی ہوتے ہیں اس لیے وہ بھی

احمدی ہوتا ہے۔ اس کے اندر یہ جذبہ اتنا مضبوط نہیں ہوتا جتنا ایک خود بیعت کرنے والے کے اندر ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اولاد کی تربیت ناقص ہوتی جاتی ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت حسنؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ انہیں ترکاری پسند آئی تو پلیٹ میں ہاتھ مارا تا اس کے ٹکڑے تلاش کر کے کھائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَمِمَّا یَلِیْکَ۔1 کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور وہاں سے کھاؤ جو تمہارے سامنے ہے۔ یہ تہذیب کا سبق ہے جو آپؐ نے بچہ کو سکھایا کہ کہاں سے کھانا ہے اور کس طرح کھانا ہے۔ لیکن آجکل کی ماؤں کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا اور بجائے سمجھانے کے انہیں پیار کرنے لگ جاتی ہیں۔

ایک دفعہ صدقات کی کھجوریں آئیں تو حضرت حسنؓ نے ڈھیر میں سے ایک کھجور لی اور منہ میں ڈال لی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھ لیا اور فرمایا نہیں نہیں!! یہ کھجوریں صدقہ کی ہیں۔ پھر آپؐ نے حضرت حسنؓ کے منہ میں انگلی ڈال کر وہ کھجور نکال لی۔2 لیکن آجکل کی مائیں ایسے موقع پر کہہ دیتی ہیں کہ بچہ بیچارہ کم سمجھ ہے بلکہ اگر وہ رو پڑے تو خود اُسے کہیں گی کہ اچھا کھالے کھالے۔

پس بچوں کی تربیت نہایت اہم چیز ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ربوہ پر جہاں بہت سی ذمہ داریاں ہیں وہاں بچوں کی تربیت کے متعلق بھی اس پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بچوں کی تربیت کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ قادیان میں بھی یہ نقص تھا اور میں نے اس کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہاں یہ نقص زیادہ نہیں تھا یہاں تو یہ حالت ہے کہ والدین اپنے بچوں کو خلافت کی اہمیت بھی نہیں بتاتے۔ چنانچہ بعض بچے جب میرے پاس آتے ہیں تو میں نے دیکھا ہے کہ وہ اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ کہنے کی بجائے اِس قسم کے الفاظ اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں کہ باباجی سلام۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ انہیں پتا ہی نہیں کہ اُن کا خلیفۂ وقت کے ساتھ کیا رشتہ ہے اور اسے کن الفاظ میں مخاطب کرنا چاہیے۔ اگر والدین نے انہیں خلافت کے مقام کی اہمیت بتائی ہوتی تو وہ آدابِ اسلامی سے اس قدر بیگانہ نہ ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں یہ ماں باپ کا ہی قصور ہے کہ انہیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ خلیفہ کا رشتہ ماں باپ اور استاد کے رشتہ سے بھی زیادہ اہم ہے اور ان کا فرض ہے کہ اسے ان سب سے زیادہ عزت کا مقام دیں۔ اِسی طرح ابھی ایک بچہ لاہور سے آیا ہے۔ اُس کی عمر سات آٹھ سال کی ہے۔ اُس سے باتیں کرنے پر معلوم ہوا کہ اُسے اتنا بھی والدین نے نہیں سمجھایا کہ اُس کا

پیدا کرنے والا ایک خدا ہے۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو اس نے کہا مجھے پتا نہیں۔ گویا والدین کی غفلت کی وجہ سے جماعت کی آئندہ نسل تباہ ہو رہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔3 اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ بیوقوف اور جاہل ماؤں کے قدموں میں بھی جنت ہے بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اگر مائیں اپنے بچوں کی صحیح تربیت کریں اور انہیں اسلامی اخلاق سکھائیں تو وہ انہیں جنتی زندگی کا وارث بنا سکتی ہیں لیکن اگر وہ اپنے بچوں پر مناسب دباؤ نہیں ڈالتیں، وہ ان کی تربیت نہیں کرتیں تو ان کی اگلی نسل جنت سے دور ہو جائے گی۔ گویا بچوں کو جنت یا دوزخ میں ڈالنا ماں باپ کے اختیار میں ہے۔ پس ماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو خدا تعالیٰ کے احکام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے باخبر رکھیں، صحابہؓ کی فضیلت اُن پر واضح کریں، بزرگوں کا تذکرہ اُن کے سامنے کرتی رہیں۔ اور اگر ضرورت سمجھیں تو کہانیوں کے ذریعہ خدا اور رسول کی باتیں ان کے ذہن نشین کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کبھی کبھی ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ بیٹھ جاؤ میں تمہیں کہانی سناتا ہوں۔ وہ کہانی کیا ہوتی تھی یہی بزرگوں کے واقعات ہوتے تھے جن کا نام کہانی رکھ لیا جاتا تھا اور ہم دلچسپی سے اُسے سنتے تھے بلکہ بعض دفعہ ہم پیچھے پڑ جاتے تھے کہ ابھی کہانی پوری نہیں ہوئی۔ غرض اس طرح بھی دینی باتیں سکھائی جا سکتی ہیں۔ اگر بچوں کو یہ کہا جائے کہ آؤ تمہیں نماز سکھائیں تو وہ اسے سبق سمجھ لیتے ہیں لیکن اگر یوں کہا جائے کہ ایک بزرگ تھے، وہ نبیوں کے سردار تھے، وہ خدا کی بڑی عبادت کیا کرتے تھے اور پھر بتایا جائے کہ وہ یوں عبادت کرتے تھے تو اِس طرح بچوں کو ساری نماز یاد ہو جائے گی اور پھر وہ اسے کہانی کی کہانی سمجھیں گے۔ اِسی طرح تاریخِ اسلامی، آداب اور اخلاق وغیرہ بچوں کو سکھائے جائیں۔ اِسی لیے میں نے کتابوں کا ایک کورس مقرر کیا تھا اور جماعت کے علماء کو توجہ دلائی تھی کہ وہ بچوں کے لیے تربیتی مسائل پر مختلف کتب لکھیں۔ اِس وقت سات آٹھ پروفیسر جامعۃ المبشرین میں ہیں، چار پانچ جامعہ احمدیہ میں ہیں۔ یہ گیارہ آدمی اگر ہر چھ ماہ میں ایک کتاب بھی لکھتے تو اڑھائی سال میں پچپن کتابیں لکھ لیتے۔ ہائی سکول میں تیس کے قریب استاد ہیں، کالج میں بیس پروفیسر یا لیکچرار ہیں، ساٹھ کے قریب مبلّغ ہیں۔ گویا ایک سو دس یہ ہیں۔ اگر یہ لوگ ایک ایک کتاب فی سال بھی لکھتے تو تین سال میں تین سو تیس کتابیں لکھ لیتے۔ بچوں کے لیے کتابیں لکھنا

کونسی مشکل بات ہے۔ لیکن یہ لوگ یہ تو کوشش کرتے ہیں کہ یونیورسٹی انہیں پرچے دیکھنے کے لیے بھیج دے اور انہیں کچھ پیسے مل جائیں۔ لیکن اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ وہ علمی اور اخلاقی اور تربیتی کتابیں لکھیں حالانکہ ہم نے بھی اُن کے معاوضہ میں ایک رقم مقرر کی ہوئی ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے اساتذہ اور علماء کی ذہنیت گری ہوئی ہے۔ تحریک جدید میں بھی یہی ہوا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہماری اگلی نسل پہلوں سے بڑھ کر چندہ دیتی لیکن ان کا چندہ دفتر اوّل کے چندہ سے آدھا بھی نہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ان میں خدمتِ دین کی رغبت ہی نہیں رہی۔ مجھے یاد ہے جن دنوں میں نے شروع میں تحریک کی تو اُس وقت جماعت کے لڑکے کالجوں میں بہت تھوڑے تھے لیکن پھر بھی احمدیہ ہوسٹل کے طلباء کے وعدے ایک ہزار سے زیادہ کے تھے۔ اب کالج میں کئی سو طلباء ہیں لیکن اُن کے وعدے ایک ہزار روپے کے بھی نہیں۔ اِسی طرح سکول کے وعدے بھی بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔

یاد رکھو! تمام کام تربیت سے ہوتے ہیں۔ جب تک ہر مرد اور عورت یہ نہ سمجھ لے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا اُسی دن سے ہم نے اس کی تربیت کرنی ہے اُس وقت تک ہماری آئندہ نسلیں ترقی نہیں کر سکتیں۔ اس حکمت کو مدّنظر رکھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو تم اُس کے کان میں اذان کہو۔4 گویا وہ وقت بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ بچے کے کان میں دوسرے دن بھی اچھی بات پڑنی چاہیے، تیسرے دن بھی اچھی بات پڑنی چاہیے اور تم اس کے لیے مسلسل کوشش کرتے ہو تو تم کامیاب ہو گئے۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تم اپنی آئندہ نسل کو تباہ کرتے ہو۔ اور درحقیقت آئندہ نسل کی تربیت اس حکمت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کمزور ہو رہی ہے، اُن میں قومی کام کرنے کی رغبت کم ہے، وہ اپنی آمد کے مطابق چندہ نہیں دیتے اور اشاعتِ اسلام کے لیے زندگیاں وقف کرنے کی طرف انہیں توجہ نہیں حالانکہ ایک ایک مومن دنیا میں بہت بڑا تغیر پیدا کر سکتا ہے۔ حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ ہندوستان میں آئے اور ان کی وجہ سے تمام ہندوستان میں اسلام پھیل گیا۔ اگر دوسرے مسلمان بھی خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ والا جوش رکھتے تو شاید تاریخ میں یہ لکھا ہوا ہوتا کہ ہندوستان میں ایک قدیم مذہب ہوا کرتا تھا جسے ہندو کہتے تھے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اگر اَب بھی ایسا ہو جائے اور ہماری آئندہ نسلوں میں

حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ والا جوش اور ایمان پیدا ہو جائے تو ہر طرف احمدی ہی احمدی دکھائی دیں گے۔ لیکن اگر تمہاری زندگی مُردار پن میں گزر رہی ہے تو یہ صورت کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ جب تک تم میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا کہ تم اپنے ماں باپ کی وجہ سے احمدی نہیں ہوئے، تم اپنے بہن بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کی وجہ سے احمدی نہیں ہوئے بلکہ تم اس لیے احمدی ہوئے ہو کہ تم نے خود احمدیت میں خدا تعالیٰ کا نور دیکھا ہے تو تم ویسے ہی ہو جیسے پانی کی ایک دھار نکلتی ہے تو وہ آخر تک دھار ہی رہتی ہے۔ حالانکہ جب وہ دھار نالا نہیں بنتی اور نالا سے دریا نہیں بنتا اور دریا سے سمندر نہیں بنتا اُس وقت تک کبھی دنیا میں صحیح رنگ میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی''۔

(الفضل 10 مئی 1961ء)

1: بخاری کتاب الاطعمۃ باب التَّسْمِیَۃِ عَلَی الطَّعَامِ وَ الْاَکْلِ بِالْیَمِیْنِ میں ''کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْکَ'' کے الفاظ ہیں۔

2: صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما یذکر فی الصدقۃ للنبی و اٰلہٖ

3: کنز العمال۔ جلد 16 صفحہ 461۔ کتب التراث العلمی حلب 1977ء

4: کنز العمال ۔ جلد 16 صفحہ 599۔ حدیث نمبر 46004۔ کتب التراث العلمی حلب 1977ء